بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقشِ آغاز

نظامِ زکوٰۃ کا نفاذ

۱۲ شعبان المعظم کو اسلام آباد کی مرکزی جامع مسجد سے صدرِ پاکستان جناب جنرل محمد ضیاء الحق نے قوانینِ عشر و زکوٰۃ کے نفاذ کا اعلان کیا جسے پوری قوم نے براہِ راست سنا اور دیکھا۔ زکوٰۃ ایک فریضہ اور رکنِ اسلام ہے۔ قرآن کریم میں نماز کے بعد سب سے زیادہ زور زکوٰۃ پر دیا گیا ہے، ایک اسلامی فلاحی معاشرہ کی تشکیل کے لئے اسکی حیثیت ریڑھ کی ہڈی جیسی ہے۔ پس بلاشبہ جو بھی حکومت یا معاشرہ اسلامی نظام کو اختیار کرے گی اس کیلئے نظامِ زکوٰۃ کا نفاذ ناگزیر ہوگا کہ نظام اسلامی صرف چند عبادات کا نام نہیں معاشیات بھی اور معاشرت و تمدن کے ہر چھوٹے بڑے معاملے سے اس کا تعلق ہے۔ اس جامع فطری نظام میں دین و دنیا دونوں کو مربوط رکھنے کے لئے اوّلین فریضۂ حکومت عادلہ اقاموالصلوٰۃ کے ساتھ ہی وآتوالزکوٰۃ قرار دیا گیا ہے اور پھر زکوٰۃ کو ایک ٹیکس اور مالیہ نہیں بلکہ اہم ترین عبادت قرار دے کر تمام عبادتی تقاضوں اور مراعات کا لحاظ بھی لازمی قرار دیا گیا ہے۔ زکوٰۃ اپنے اندر معاشی اعتدال، ایثار و قناعت، اخلاقی تطہیر، تزکیۂ نفس کا ایک ہمہ گیر فلسفہ رکھتا ہے۔ اس لحاظ سے موجودہ حکومت کا نظامِ زکوٰۃ کی طرف پیش رفت ایک نہایت ہی مستحسن اور قابلِ تبریک اقدام ہے لیکن یہ اقدام جتنا کسی بھی اسلامی حکومت کے لئے لازمی اور ضروری ہے۔ اتنا ہی زکوٰۃ کے محاصل و مصارف میں اس کا عبادتی حیثیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے اسکی مقرر کردہ حدود و شرائط کی رعایت کے لحاظ سے یہ ایک شدید آزمائش اور گرانبار ذمہ داری اور نازک امتحان بھی ہے۔ اور جتنا بھی یہ اقدام شرعی رعایتوں اور تقاضوں پر پورا اترے اور شریعت کے مقرر کردہ تفصیلات اور باریکیوں کی رعایت ہو اتنا ہی یہ کامیابی سے ہمکنار اور عظیم برکات و ثمرات کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلی بات تو کسی اسلامی معاشرہ کو اسلامی خطوط پر ڈالنے کی ہے۔ اور خلق کا رشتہ خالق سے جوڑنے کے بعد کوئی خوشحال، پرامن مضبوط اسلامی معاشرہ قائم ہو سکتا ہے۔ قرآن کریم نے اسی بناء پر سب سے پہلے اہم ترین عبادات نماز کی اقامت پر زور دیکر نظامِ معاشیات و مالیات کا رشتہ عبادات سے جوڑ دیا کہ جس مسلمان کا تعلق عبادات سے درست ہوگا، اسکی معاشرت بھی درست ہو سکے گی۔ اگر کوئی حکومت اقامۃ صلوٰۃ کو معاشرے کا انفرادی معاملہ قرار دیتی ہے۔ (جبکہ اسلام نے اقامۃ صلوٰۃ کو اسکی اوّلین اجتماعی ذمہ داری قرار

دیا ہے اور اس کے لئے عملی قوانین وضع کئے۔) مگر زکوٰۃ کو اجتماعی اور جبری ذمہ واری سمجھتی ہے، تو وہ غلطی پہ ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مانعین زکوٰۃ کے بارہ میں صلوٰۃ و زکوٰۃ کی اس تفریق کو ختم کرتے ہوئے فرمایا تھا۔ واللہ لہ قاتلن من فرق بین الصلوٰۃ والزکوٰۃ۔ حضرت ابوبکرؓ کے نزدیک اگر زکوٰۃ کو صلوٰۃ جیسا اہم نہ سمجھنے والے مستحق قتال ہو سکتے ہیں تو نماز (جو قصرِ اسلام کا عمودی ستون ہے۔) کو زکوٰۃ سے کم اہم سمجھنے والے کب ایسے وعید کے مستحق نہیں ہوں گے۔ اگر زمین عبادات سے تیار اور زرخیز ہو گی اس میں معاشیات اور دنیوی معاملات بھی برگ و بار لا سکیں گے۔ ورنہ ساری عمارت ہوا پر استوار رہے گی نہ فلاحی معاشرہ تشکیل پا سکے گا۔ نہ کوئی خوشحال تمدن اور نہ کوئی کل سیدھی بیٹھ سکے گی۔

اسی وجہ سے بہت سے حلقوں نے موجودہ صورت میں زکوٰۃ وضع کرنے کے بارہ میں اس پریشانی اندیشے کا اظہار کیا ہے۔ کہ سودی کھاتوں اور اثاثوں سے ڈھائی فیصد کی شرح سے زکوٰۃ وضع کر کے حکومت نے ایک قسم کی شرح سود میں کمی کر دی ہے۔ اگر ساڑھے سات فیصد سود کی شرح تھی تو اب پانچ فیصد رہ گئی ہے۔ اگرچہ صدرِ محترم نے حالیہ ایک بیان میں اس اعتراض کو یہ کہہ کر رد کرنا چاہا ہے۔ کہ زکوٰۃ اصل مال سے وضع کی گئی ہے۔ اور حقیقت بھی یہ ہے کہ اگر گیارہ سو جمع شدہ روپے سے حکومت نے ساڑھے ستائیس روپے وضع کر لئے تو ۲۵/ روپے تو اصل مال ایک ہزار کے ہو گئے۔ جسے فقہاء بھی زکوٰۃ ہی قرار دیں گے۔ مگر زائد سودی رقم ایک سو روپے کے بدلے صرف ڈھائی روپے زکوٰۃ نہ رہے گو زکوٰۃ فنڈ میں چلے جانے میں قباحت نہیں ہے بلکہ ساری سودی رقم (ایک سو روپے) بھی صدقہ ہونی چاہیئے تھی۔ بہرحال یہ ساری خرابی اور پیچیدگی اسی وجہ سے ہے کہ اسلام کے نظام زکوٰۃ اور جاہلیت کے ربوی نظام دونوں کو ایک ساتھ نباہنا پل صراط پہ چلنے کے مترادف ہے۔ اور دونوں متوازی خطوط میں سے کسی ایک کو اختیار کیا جا سکتا ہے۔

علمی و فقہی حلقوں کیطرف سے اب تک جو مزید اعتراضات اٹھائے گئے ہیں ان کا ازالہ بھی بہت جلد اور نہایت لازمی ہے۔ مثلاً (الف) مصارفِ زکوٰۃ (مدات خرچ) اسے اللہ تعالیٰ نے پیغمبر علیہ السلام پہ بھی نہیں چھوڑا بلکہ خود متعین فرما دیا ہے۔ مصارف و مستحقین قطعی متعین ہیں مگر حکمنامہ کی دفعہ ۸ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں تعلیمی اداروں (تنخواہوں وغیرہ) رفاہی اداروں عمارات وغیرہ کی بھی گنجائش رکھی گئی ہے۔ اس صورت میں ظاہر ہے کہ قطعی اور منصوص مصارف سے ہٹ کر جو بھی رقم خرچ کی جائے گی وہ زکوٰۃ میں نہیں محسوب ہو سکتی اور نہ صاحبِ زکوٰۃ بری الذمہ ہو سکے گا۔ (ب) نصاب زکوٰۃ بھی قطعی متعین ہے۔ یعنی ساڑھے باون تولے چاندی یا اتنی قیمت نقدی یا سونے یا مال تجارت کا مالک ہو یا ان سب چیزوں میں سے بعض کا جنکی مالیت ساڑھے باون تولے چاندی کے برابر ہو اور اگر یہ کچھ بھی نہ ہو صرف سونا ہو تو اسکی تعداد ساڑھے سات تولے ہے۔ مگر

موجودہ شکل میں صرف ایک ہزار کی نقدی رکھنے والوں سے بھی زکوٰۃ وضع کر لی گئی ہے جبکہ اگر وہ کسی اور مالیت کا مالک نہ ہو تو صاحبِ نصاب نہیں کہلا سکتا۔ حال ہی میں صدرِ محترم نے اس اعتراض کے ازالہ میں نصاب کے مذکورہ باقی سب صورتوں کو نظر انداز کر کے صرف آخری صورت ۱/۲ تولے سونا والی شق کا ذکر کر کے غلط فہمی کا مظاہرہ کیا ہے یا مغالطہ انگیزی کا۔ (ج) حولانِ حول۔ یعنی اصل مقدارِ نصاب پر پورا ایک سال گذرنا ضروری ہے۔ اس سے زائد مقدار پر اگرچہ پورا سال نہ گذرے مگر بنیادی نصاب پر ضروری ہے۔ موجودہ صورت میں چند دن یا ایک دن قبل بھی اگر کسی نے رقم جمع کرائی تھی اور وہ اس سے قبل صاحبِ نصاب نہ بھی تھا۔ اس سے بھی زکوٰۃ وضع کی گئی جو عند اللہ غصب وجبایۃ تو ہے زکوٰۃ وعبادت ہرگز نہیں۔ (د) ایک مسئلہ یہ اٹھایا گیا ہے کہ بنکوں کی رقوم قرض رکھی ہوتی ہیں کیا کسی مقروض کو یہ حق ہے کہ وہ صاحبِ مال کی اجازت کے بغیر قرض کی زکوٰۃ ادا کر دے۔ یا حکومت مقروض کے مال کو جبراً قرضدار سے وصول کرے اس کے ساتھ ہی اگر بنک وغیرہ کے اثاثوں کے علاوہ صاحبِ مال خود مقروض ہے تو کیا حکومت نے وضع کرنے میں قرضوں کے منہا کرنے کی رعایت برتنی ہے۔؟ جبکہ اکثر ائمہ کرام کے نزدیک قرضوں کو منہا کرنا ضروری ہے۔ (ہ) حکومت اموالِ باطنہ سے زکوٰۃ وضع کرنے کی مجاز نہیں کیا موجودہ بنک اور دیگر مالیاتی اثاثے اموالِ باطنہ میں آتے ہیں جیسا کہ فقہاء امت نے نقود کو سمجھا ہے۔ یا پھر اسے اموالِ ظاہرہ میں محسوب کر دینے کی گنجائش ہے۔ جیسا کہ بعض معاصر علماء و محققین کی رائے ہے۔ (و) زکوٰۃ ایک عبادت ہے اور کوئی عبادت بغیر نیت ادائیگی کے ادا نہیں ہو سکتی جیسے کہ نماز، حج و روزہ۔ کیا اصحاب اموال کی لاعلمی اور ارادہ و نیت کے بغیر اچانک ان سے رقم زکوٰۃ وضع کر لینا انہیں فریضہ زکوٰۃ سے سبکدوش کر سکے گا یا نہیں۔ اگر نہیں تو پھر حکومت کو مالکان سے کھاتہ کھولتے وقت ایسی اجازت لینی پڑے گی کہ نیت اور ارادہ اس میں شامل ہو سکے۔ (ز) یہی حال نابالغ کے اموال سے وضع زکوٰۃ کا ہے۔ کہ دیگر ائمہ کے نزدیک شرط ہے مگر امام شافعیؒ کے نزدیک گنجائش موجود ہے۔ (ح) میت کے ترکے یا اثاثے جو بنک وغیرہ میں پڑے ہوتے ہیں اور مالک کی وفات کے ساتھ ہی درحقیقت ورثاء کی ملکیت ہو چکے ہیں اگر تقسیم کے بعد یہ لوگ صاحبِ نصاب نہیں رہتے تو ایسے اکاؤنٹ یا اثاثوں سے زکوٰۃ لینا کب جائز ہوگا۔

یہی حال عشر وغیرہ کے بارہ میں فقہی قوانین اور شرعی حدود اور تقاضوں کا ہے اور ہمیں خوشی ہے کہ بعض جید اور مخلص علماء ان کے بارہ میں اپنا نقطہ نظر پیش کر رہے ہیں۔

اگر حکومت ان تمام خامیوں اور کوتاہیوں کو دور کر دیتی ہے۔ اور نظامِ زکوٰۃ کے نفاذ و تقسیم کا کام شرعی طور پر اہل اور باصلاحیت افراد کو سونپ دیتی ہے تو حکومت کا یہ اقدام نہ صرف پاکستان کی خوشحالی کا ضامن بلکہ پورے عالم اسلام کے لئے ایک روشن مثال ثابت ہو سکے گا۔ (جاری ہے)

سمیع الحق

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔